"شبنم شاداب"
نشر دادۂ کتابستان الٰہ آباد پر ایک نظر

(جناب ڈاکٹر محمد احمد صدیقی ۔ ایم ۔ اے ۔ ڈی ۔ فل الٰہ آباد یونیورسٹی)

ادبیاتِ فارسی کا ذوق رکھنے والوں میں کون ایسا انسان ہے جس نے مشہور و معروف کتاب "شبنم شاداب" مصنفۂ ظہیر اے تفرشی کا نام نہیں سنا اس کے مصنف گیارہویں صدی کے وہ نامور فارسی ادیب ہیں جو نثر نویسی میں گوناگوں لفظی و معنوی صنائع اور نادر و دل کش تشبیہات اور مسحور کرنے والے استعارات کے استعمال کی وجہ سے بالیقین اپنے معاصرین پر سبقت لے گئے ہیں اور جو باغ عباس دیا دجدید کی رنگین اور پر رونق توصیف کی وجہ سے اپنا نظیر نہیں رکھتے ان کی یہ گراں قدر و بے بہا کتاب اگرچہ اہل ایران میں کسی قدر گم نام بلکہ بے نشان ہے مگر ہندوستان نے جو اس کی قدر و منزلت کی اس کا اندازہ صرف اسی سے ہو سکتا ہے کہ ہندوستانی ادیا اس کو اس وقت سے اب تک اعلیٰ ترین نثر کی تصنیف میں شمار کرتے اور فارسی کے اعلیٰ طبقوں میں داخلِ نصاب کرتے آئے ہیں یہ امر شاہانِ ہند کی بے تعصبی اور علم دوستی کا ایک بیّن اور کھلا ہوا ثبوت ہے کہ انھوں نے شبنم شاداب جیسی بلند پایہ کتاب کو نظر انداز نہیں کیا اور اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھا یہاں تک کہ بقول پروفیسر نعیم الرحمٰن صاحب مرحوم "عالموں اور ادیبوں نے بھی اس کو چشم و چراغ بنایا اس پر تیل چڑھا کر اپنے نصاب تعلیم میں داخل کیا، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اہلِ ایران کا تغافل ہے کہ انھوں نے اس بیش بہا موتی کی قدر نہ کی اور اس کو ضائع کر دیا" یہ کتاب جتنی بلند پایہ اور قابلِ اعتنا تھی اتنا ہی اس کی طباعت خراب و غلط اور اہلِ مطابع کی عدم التفات کا شکار ہو گئی حواشی و تعلیقات اگرچہ بہت سہی مگر پھر بھی تشنہ کاماں زبانِ فارسی کی تشنگی باقی تھی انھیں تشنہ کاماں کی تشنگی دور کرنے کے لئے پروفیسر نعیم الرحمٰن صاحب مرحوم نے اس کی طرف

خاص توجہ مبذول کی اور نہ صرف طباعت کی غلطیوں کو دور کر کے کتاب کی تصحیح کی بلکہ جدید حواشی وافیہ اور تعلیقاتِ کافیہ وضاحت تلمیحات مشہورہ سے اس کتاب کو مزین کر کے از سر نو مرتب کیا جس کو کتابستان الہ آباد نے شائع کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پروفیسر موصوف ان چند مستند افاضل میں سے ہیں جن کا وجود اہلِ علم و فضل کے لئے ہمیشہ قابل فخر اور مایہ ناز رہے گا اُن کی خداداد علمی قابلیت اور فطری ذہانت اور مختلف تصانیف نے ان کو آسمانِ علم پر آفتاب بنا کر چمکا دیا ہے مرحوم کا شمار بالیقین ان خوش قسمت اساتذہ میں کیا جا سکتا ہے جنھوں نے دورانِ حیات ہی میں معاصرین سے وہی قدر و منزلت اور دادِ تحسین حاصل کر لی ہے جس کے حقیقت میں وہ مستحق ہیں اس کتاب میں پروفیسر موصوف کی محنت اور علمی قابلیت قابلِ داد اور لائق دید ہے نہایت خوش اسلوبی سے الفاظ مشکلہ کی تشریح اور پیچیدہ مضامین کی گتھیاں سلجھائی ہیں لیکن مجھے چند مقامات کے مطالب و حواشی سے پروفیسر مرحوم کی رائے سے اتفاق نہیں اس لئے بصد عجز و انکسار اپنی رائے کو ظاہر کرنا چاہتا ہوں لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس سے اظہار قابلیت اصلاً مقصود نہیں کیوں کہ میں تو خود ہی اپنی ہیچدانی اور بے بضاعتی کا معترف ہوں اور نہ یہ تبصرہ پروفیسر مرحوم کی فضیلتِ علمی کی منقصت ہے معاذ اللہ اس لئے کہ پروفیسر مرحوم کا تبحر علاوہ دیگر عربی انگریزی زبانوں کے فارسی زبان میں خصوصیت کے ساتھ مسلم ہے جو ان کے علمی کارناموں سے روز روشن کی طرح نمایاں ہے اول تو ایسے مخزنِ علم و فضل سے لغزش تقریباً بعید ہے لیکن اگر بالفرض محال ایسے متبحر عالم فارسی سے بھی کوئی لغزش سرزد ہو جائے تو میرے نزدیک ہرگز محلِ حیرت و استعجاب نہیں کیوں کہ بشر سے لغزش فطرت کے مطابق ہے بڑے بڑے اہلِ کمال بھی اس سے نہ بچ سکے کون ہے جو مدعی کمال ہے کیا خوب کہا ہے

من ذا الذی ماساء قط　　ومن لہ الحسنیٰ فقط
اما تری المحبوب والمکروہ　　لُزّا فی نمط

سچ تو یہ ہے کہ کمال صرف وحدہٗ لاشریک لہ ہی کو سزاوار ہے علامہ جاحظ نے

کیا خوب کہا ہے۔ "انفرد اللہ عزوجل بالکمال ولم یبریٔ احد امن النقصان" لہٰذا اگر ایسے صاحبِ علم حضرات سے بتقاضائے بشریت لغزش ہو گئی اور اس کو ظاہر بھی کر دیا گیا تو بھی ہرگز ان کی تنقیص نہیں بلکہ عین دلیلِ کمال ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے "الکامل من عدت ھفواتہ" یا جیسا کہ کہا گیا ہے "کفی المرء نبلا ان تعد معایبہ" اس لئے کہ اس سے صاف نمایاں ہوتا ہے کہ ان حضرات سے لغزش اتنی کم ہوتی ہیں کہ انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں چہ جاتے کہ ہم جیسے لوگوں کی غلطیاں کہ لاتعد ولا تحصی، دوسری وجہ اظہارِ رائی کی یہ بھی ہے کہ ایسے صاحبِ علم وفضل کی تحریر کی طرف لوگ تنقیدی نظر نہیں ڈالتے بلکہ تحقیق کی جگہ تقلید اور عقل کی جگہ نقل سے کام لیتے ہیں اس لئے کہ ان کا علم مسلم ہوتا ہے اور اگر بتقاضائے بشریت لغزش ہو گئی تو وہ باقی رہ جاتی ہے بلکہ اکثر طلبہ کی ترقی علم میں سدِّ راہ بن جاتی ہے کیوں کہ ہر شخص بغیر غور وفکر کے اس کو صحیح مان لیتا ہے اس وجہ سے طلبہ کے نفع کے خیال سے بھی اظہارِ رائی ضروری سمجھتا ہوں، بدقسمتی سے پروفیسر صاحب مرحوم کی حیات میں مجھے اس کا موقع نہ مل سکا اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا موصوف ہی اس کتاب کا درس دیا کرتے تھے ان کے انتقال کے بعد مجھے اس کتاب کے پڑھانے کا موقع ملا دو تین بار پڑھانے کے بعد بعض مقامات میں اختلافِ رائی کا احساس ہوا افسوس کہ اس وقت مولانا موصوف بقیدِ حیات نہیں ورنہ ان سے براہ راست استشارہ کر کے رفعِ شکوک کر لیتا اور اس تبصرہ کی ضرورت نہ ہوتی مگر اب میں نے اپنا فرض منصبی سمجھا کہ اس اختلافِ رائی کو اہلِ علم کے سامنے پیش کروں تاکہ طلبہ واساتذہ کے لئے جو عدیم الفرصتی یا عدم توجہی کے سبب سے تحقیقِ مطالب وتصحیحِ اغلاط کی طرف اعتنا نہیں کرتے اور انھیں شروح وحواشی پر اکتفا کرتے ہیں یہی لغزشیں جو میرے نزدیک باقتضائے بشریت پروفیسر صاحب موصوف سے اس کتاب کے مطالب وحواشی کے تحت میں رونما ہو گئی ہیں ان کے علمی تحقیق میں سدِّ راہ نہ ہو۔ کیوں کہ انھیں متوسطین کو اس کی ضرورت ہے ورنہ اہلِ علم حضرات تو بیک نظر صحت وسقم وصحیح وغلط کو پرکھ لیتے ہیں۔ ذیل کے سطور میں صرف ان مقامات سے مجھ کو بحث کرنا ہے جن سے مجھ کو مولانا موصوف سے اختلاف ہے اور حوالہ کے لئے شبنم شاداب شائع کردہ کتابستان الہ آباد کو سامنے رکھتا ہوں۔

۱- صفحہ ۱۲ سے صفحہ ۴۴ تک یہ عبارت ہے :-

"اعیانِ تختگاہِ چمن و وضیع و شریفِ دارالسلطنتِ گلشن (گلشن اور از کے درمیان لکیر ہونا چاہیے) از اربابِ عمایمِ نارون، و اصحابِ قلوبِ صنوبر، و مجذوبِ سالکانِ بیدِ مجنون، و قلمزنانِ بیدِ سرخ، و دیوان گرانِ گلِ صد برگ، تارِ عاقدانِ شمشاد، و مرغولہ مویانِ مشکین کاکلِ بنفشہ و سنبل، و بازاریانِ لالہ و ریحان، و رعایائے سبزہ و سہ برگہ (سہ برگہ اور بکامیابی کے درمیان لکیر ہونا چاہیے) بکامیابی دیدارِ ولی نعمتِ نو بہار، بند قبا در بند قبا و کلاہ بر کلاہ استادہ، و بشکرِ مساعی جمیلہ ملک پروری و معدلت گستریِ دستورِ معظم و وزیرِ اعظم نفسِ نباتی، کہ حسبِ الحکمِ اعلیٰ در نظم و نسقِ ممالکِ نشو و نما از رتق و فتقِ صحو و غیم، و حل و عقدِ شگوفہ و ثمر، و انتظامِ مداخل و مخارج از امطار و ازہار، و تعمیرِ مرز و بومِ ہر زمین، و توفیرِ کشت و کار دہاقین ——— مآثرِ فراواں و آثارِ نمایاں بر روی عرصہ روزگار بظہور رسانیدہ، و بر طبقِ رضای حضرتِ والا در ترفیہ حال برایا ——— (برایا اور از کے درمیان لکیر ہونا چاہیے)، از نضارت بخشی گلِ جعفری، و طراوت افزای لالہ عباسی، و نہال کردنِ سر سبز دارانِ خستہ دل، و از خاک برداشتنِ بے برگ و نوایانِ بادِ در گل، و باضعفاءِ سبزہ و اقویاءِ شاخسار از وفورِ حسنِ خلق بیک نسبت برآمدن، و باشناد بیگانہ تر و خشک بفیضِ وسعتِ مشرب بریک وتیرہ سر کردن ——— (کردن اور کار کے درمیان لکیر ہونا چاہیے) کار از دارۂ طوقِ بشری در گذرانیدہ،

ہمگنان از خلوصِ جنان متفق اللفظ و البیان استدعائے خلودِ این خلافتِ کبریٰ و دوامِ دولتِ عظمیٰ را سر سوی آسمان بر کردہ" (اس کے بعد اسی صفحہ کے نیچے یہاں سے پڑھئے :-

"اس سلسلہ میں ص۵۶ حواشی الخ

اس سلسلہ میں ص۵۶ حواشی کے تحت میں پروفیسر صاحب تحریر فرماتے ہیں "اعیان تختگاہ ... گذرانیدہ" یہ سب ایک فقرہ ہے۔ اعیان ..... چمن اور وضیع ..... گلشن فاعل ہیں اور استادہ، رسانیدہ در گذرانیدہ (جو بالترتیب ان تینوں جملوں کے آخر میں آئے ہیں) ان کے فعل ہیں۔

پروفیسر صاحب کا اعیان - چمن - وضیع - گلشن کو استادہ کا فاعل قرار دینا تو صحیح ہے مگر انھیں اعیان ..... گلشن کو رسانیدہ و در گذرانیدہ کا بھی فاعل قرار دینا صحیح نہیں ہے بلکہ یہاں پر میرے خیال میں لغزش ہو گئی ہے کیوں کہ رسانیدہ اور در گذرانیدہ کا فاعل نفس نباتی ہے اور یہ دونوں فقرے در گذرانیدہ تک اس کی صفت ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وزیر اعظم نفس نباتی کے شکریہ ادا کرنے کے لئے جس نے بحکم شہنشاہ نو بہار نشو و نما کے ممالک کے نظم و نسق میں بہت سی خوبیاں عرصہ روزگار پر ظاہر کی ہیں [جس کی تفصیل "از رتق و فتق سے لیکر ... کار دہاقین" تک ہے] اور جس نے حضرت والا شہنشاہ نو بہار کی رضامندی کے مطابق رعایا کی آسائش میں ایسے نمایاں کام کئے ہیں کہ انسانی طاقت سے باہر ہیں [جس کی تفصیل "از نضارت بخشی سے لے کر ..... سر کردن تک ہے] مگر ابھی "بہ شکر مساعی جمیلہ" کا متعلق فعل نہیں آیا ہے اس بہ شکر مساعی جمیلہ کا "ہمگنان

صــــ۲۲ " والے جملے سے یوں تعلق ہے کہ " در بہ شکر مساعی جمیلہ " ملک پروری و معدلت گستری دستور معظم وزیر اعظم نفس نباتی ہمگنان از خلوص جنان متفق اللفظ والبیان استدعائے خلود این خلافت کبریٰ ودوام دولت عظمیٰ را سر سوی آسمان بر کردہ ، مطلب یہ کہ ارباب عمایم واصحاب قلوب وغیرہم [نفس نباتی نام کے وزیر اعظم کے شکر اور قدر دانی کرتے ہوئے سب کے سب سر اٹھائے ہوئے اس خلافت کبریٰ ودولت عظمیٰ کے خلود کی دعا کر رہے ہیں لہذا رسانیدہ و گذرانیدہ کا فاعل اعیان . . . . . " وغیرہ کو قرار دینا صحیح نہیں ہے اور اسی لغزش کی وجہ سے ہمگنان والے جملہ صــــ۲۲ کو بمساعی جمیلہ صــــ۲۳ والے جملہ سے الگ کرکے نیا پیرا پروفیسر صاحب نے لکھنا شروع کیا ہے جو مناسب نہیں ۔ حاصل یہ ہے کہ فقرہ " کہ حسب الحکم اعلیٰ در نظم ونسق ممالک نشو ونماکہ عبارت است از رتق وفتق وغیرہ　　الیٰ　　بہ طور رسانیدہ " اور دوسرا فقرہ در گذرانیدہ تک نفس نباتی کی صفت ہیں (حرف " از " کہ ماقبل رتق وفتق واقع شدہ برائے تفسیر نظم ونسق است ") اور عبارت را بشکر مساعی جمیلہ صــــ۲۳ الخ جو کہ اس فقرہ کے پہلے ہے وہ عبارت ہمگنان متفق اللفظ والبیان صــــ۲۲ سے متعلق ہے پس ظاہر ہو گیا کہ رسانیدہ اور گذرانیدہ کا فاعل نفس نباتی ہے جیسا " کہ " [جو لفظ " نفس نباتی " کے بعد ہے] صاف ظاہر کر رہا ہے اور ان کا فاعل اعیان . . . . . وغیرہ نہیں ہے جیسا کہ پروفیسر صاحب نے تحریر فرمایا ہے نیز یہ بھی معلوم ہو کہ

(۲) " ہمگناں . . . . . سے لے کر . . . . . سر کردہ " کو الگ کرکے نیا پیرا سے لکھنا (جیسا کہ پروفیسر نے کیا ہے) بھی درست نہیں بلکہ اس کو " بہ شکر مساعی جمیلہ صــــ۲۳ کے ساتھ ملا کر لکھنا پڑھنا چاہئے کیوں کہ اس کا فاعل بھی اعیان . . . . . . وغیرہ ہے باشارہ ہمگناں = یہ لغزش بھی صرف اس وجہ سے ہوئی کہ پروفیسر صاحب رسانیدہ اور در گذرانیدہ کا فاعل اعیان وغیرہ کو قرار دے گئے ہیں

(۳) اسی جگہ ایک بات اور قابل غور ہے کہ لفظ جناں صــــ۲۲ کو پروفیسر صاحب نے کتاب میں بفتح جیم ثبت کیا ہے یہ بالکل صحیح ہے مگر پروفیسر صاحب نے فرہنگ کے تحت میں صــــ۲ میں یوں لکھا ہے جناں (ج ۔ مکسور) جنت کی جمع ہے باغ ۔ جنت " میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ غلط ہے مگر یہاں شبنم شاداب میں جس لفظ کے لئے یہ معنی پروفیسر صاحب نے لکھے ہیں ضرور نامناسب ہے یہاں باغ کے معنی نہیں بلکہ دل کے معنی ہیں اغلب ہے کہ پروفیسر صاحب موصوف یہ بتلانا چاہتے تھے کہ ج مکسور ہو تو جنت بمعنی باغ کی جمع ہے اور اگر ج مفتوح ہو جو یہاں ہے تو واحد ہے اور اس کے معنی دل کے ہیں واللہ اعلم بالصواب "

(۴) صــــ۲۳ میں " مرزبوم " لکھا ہے حالانکہ مرزبوم کے درمیان " واؤ " بھی ہونا چاہئے مرز یعنی جتی ہوئی زمین اور بوم یعنی بغیر جتی ہوئی زمین جیسے کہ اگلے جملے میں کشت وکار کا تقابل بھی بیچ میں " واو " کو چاہتا ہے پھر دو جداگانہ قسم کی زمین کے ذکر میں واو عطف ضروری بھی ہے اور جیسا کہ حاشیہ لکھنے میں پروفیسر صاحب نے بھی لکھے ہیں اور مرزبوم بغیر واو کے دوسرے معنی میں مستعمل ہے جو یہاں مراد نہیں (غالباً نظر انداز ہو گیا ہے)

(۵) صــــ۱۵ میں یوں تحریر ہے " در گلشن عواتق شقایق بہ جائے ترنج جعفری غنچہ . . . . .

کوتاہ کردہ" یہاں گلشن کے نون پر کسرۂ اضافت دیا گیا ہے غالبًا یہ کسرۂ اضافت کتابت کی غلطی ہے اور میرے نزدیک صحیح نہیں بغیر اضافت کے ہونا چاہئے مطلب یہ ہے کہ باغ کے اندر عوائق شقائق (یعنی زنانِ مصر) نے غنچہ جعفری کے لیمو کی جگہ پر انگلیوں یعنی پتیوں کو کاٹ ڈالا اور بایں طور نرگس یعنی (زلیخا) کے طعن نظر بازی کی بُنیاد قطع کردی (یہاں حضرت یوسف اور زلیخا) کے یہاں زنانِ مصر کے قصہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح زلیخا پر عشقِ یوسف کی وجہ سے زنانِ مصر نے طعن و تشنیع کی تو انھوں نے سب عورتوں کو بلاکر لیمو اور دوسرے پھل کھانے کو دئے چاقو بھی رکھ دیا وہ کاٹ کر کھا رہی تھیں کہ انھوں نے یوسف کو سب کے سامنے بلایا سبھوں نے حسنِ یوسف سے محوِ حیرت ہو کر لیمو کی جگہ اپنی اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں اور اس طرح زلیخا نے آیندہ طعن کرنے سے ان کی زبان بند کردی اسی طرح یہاں باغ میں وہ عوائق شقائق (زنان مصر) جو گلشن میں نرگس کو (گویا زلیخا کو) نظر بازی سے روکتے تھے ان کے لئے نرگس (زلیخا) نے غنچہ جعفری (لیموں) کو پیش کیا اور یوسف شیخ کو بھی سامنے لا کھڑا کیا نتیجہ یہ ہوا کہ عوائق شقائق نے اس یوسف شیخ کو دیکھ کر بجائے ترنج غنچہ جعفری کے اپنی اپنی انگلیاں (یعنی پتیاں جو کٹی ہوئی ہوتی ہیں) کاٹ لیں بس یہاں گلشن کے نون کو باضافت پڑھنا مناسب نہیں دوسری بات یہ کہ اگر عوائق کو عواتق پڑھا جائے بقول صہبائی تو زیادہ بہتر ہے عواتق جمع ہے عاتق کی اس کے معنی زنان باکرہ و ناکتخدا کے ہیں چونکہ زلیخا کو عشق یوسف سے روکنے والی عورتیں مصر کی زنانِ باکرہ تھیں اس وجہ سے شقائق کی صفت عواتق لطف کو دوبالا کردیتی ہے۔

(۶) صـ۱۳ = "تعالے اللہ نزہتِ روضۂ بہشت بہجت طوبیٰ طراوت! کہ تا صیاد آفتاب دام عالم گیر پرتو بر دوش گرد ہندِ سوادِ امکان بر آمدہ بایں نقش و نگار طاؤسی در شبکہ شعاع نیفگندہ، وتا بوالعجب متخیلہ، پردۂ خیال بازی اندیشہ در پیش چراغِ ضمیر کشیدہ بایں آرائش و آئیں با غچۂ سلیمانی بنظر تماشائیانِ حواس در نیاوردہ، نسیم حدیث نظیرش بر گلِ نسترنِ گوشے نوزیدہ" اس سلسلہ میں مولانا موصوف حواشی صـ۳۹ میں لکھتے ہیں کہ "نیفگندہ اور نیاوردہ دونوں کے نفی مل کر اثبات کا فائدہ دیتے ہیں۔" دو نفی مل کر اثبات کا فائدہ ضرور دیتے ہیں مگر اس وقت جب کہ ایک ہی جملہ میں دونوں نفی پائے جاتے ہیں جیسے اسی شبنم شاداب میں صـ۳ پر ہے "دایہ مہر بہشت زلف و کاکل نازنینان گلشن را بر طرف عارض دل آرا بہ درستی نہ شکستہ کہ، بار بیگی نظر باز آفتاب رقیبان شب رو کواکب را سر ہم چشمی زیر سنگ زمیں نہ نہد" جس کے معنی یہ ہیں کہ اردی بہشت کے مہر سرشت دایہ نے نازنین گلشن کے زلف دکاکل کو ان کے عارض دل آرا کے کنارے اس طریقہ سے نہیں خم کیا (لٹکایا) ہے کہ عاشق نظر باز آفتاب (اپنے رقیب رات کے چلنے والے ستاروں کو برابری کے خیال سے زیر زمیں نہ رکھے (سزا نہ دے) دیکھئے یہاں دونوں نفی چوں کہ ایک ہی جملہ میں واقع ہیں اور لازم وملزوم وشرط وشروط کی طرح ہیں لہذا اثبات کا فائدہ دے کر یوں معنی بتاتے ہیں کہ اردی بہشت کے مہر سرشت دایہ نے گلشن کے نازنین کے عارضِ دل آرا پر زلف وکاکل کو اس طرح خوبصورتی سے لٹکایا ہے کہ نظر باز آفتاب نے اپنے

رقیب رات کے چلنے والے ستاروں کو برابری کے خیال سے زیر زمیں کر دیا ہے (سزا دی ہے) بخلاف ماتحن فیہ کے اس لئے کہ وہاں پر "تا صیاد ..... نیفگندہ" اور "وتابو العجب ... نیاوردہ" ایک جملہ نہیں بلکہ دو الگ الگ جملے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ اس وقت سے جب سے کہ صیاد آفتاب عالم گیر پرتو کا جال گردن پر رکھ کر سواد امکاں کے ہند کے گرد نکلا ہے (اس وقت سے آج تک) ایسے نقش ونگار کا کوئی طاؤس اپنے شعاع کے جال میں نہیں پھنسا سکا اور دوسرے جملے کے یہ معنی ہوں گے کہ اس وقت سے جب سے کہ قوت متخیلہ نے بازی اندیشہ سے پردہ خیال کو دل کے چراغ کے سامنے رکھا ہے اس آرائش وزیبائش کا کوئی باغچہ سلیمانی تماشائیوں کے نظر کے سامنے نہیں لا سکا اور اس کے بعد "نسیم حدیث ..... نوزیدہ" کو الگ کر دیا جائے گا۔ بعض لوگوں نے "نسیم حدیث ..... نوزیدہ" کو پہلے دونوں جملوں سے ملا کر پڑھنا پسند کیا ہے جس کے معنی یوں ہو جائیں گے کہ جب تک کہ صیاد آفتاب عالم گیر پرتو کا جال گردن پر رکھ کر سواد امکان کے ہند کے گرد نکل کر اس نقش ونگار کا کوئی طاؤس لے کے اپنے شعاع کے جال میں نہیں پھنسا سکا ..... اس باغ کے مثل کے گفتگو کا نسیم کسی کان کے نسترن کے پھول پر نہیں چلی یعنی جب تک کہ آفتاب نے اس قسم کے باغ کو اپنی شعاع میں پھانس نہیں لیا اس وقت تک اس کی خبر کسی کان تک نہ پہنچی۔ مگر اس دوسری صورت میں بھی [تا صیاد ... نیفگندہ اور "وتابو العجب ..... نیاوردہ" دونوں الگ الگ جملے ہوں گے اور دونوں نفی مل کر اثبات کا فائدہ ہرگز نہ دیں گے بلکہ "نیفگندہ" اور "نوزیدہ" مل کر اثبات کا فائدہ دیں گے واللہ اعلم بالصواب۔

۷۔ ص۱۱ میں "جوی" "بارش" الگ الگ کر کے لکھا ہے اور درمیان میں یہ نشان بنایا ہے "،" حالانکہ جوی بارش ہونا چاہئے بغیر فصل کے اور الگ الگ بالفصل ہونے میں یقین ہے کہ لوگ "بارش" کو جداگانہ لفظ سمجھ کر اس کے کچھ معنی بھی قرار دیں اور غلطی میں پڑ جائیں۔

(۸) "ص۶ باقتضائے فصل از بیابانِ طینت زاہدان مرغزار آب وگل رندان لالہ عشق پیشگی وسنبل شوریدہ مشربی وریحان شلائینی دمیدن سرکردہ واز خشک رود مشرب پیراں چوں جوی یار طبع جواناں حباب نظر بازی طرب وفوارہ لہو ولعب جوشیدن آغاز نہادہ" ص۶ اس میں لفظ "مرغزار" کے پہلے لفظ "چوں" کا ہونا بہت ضروری معلوم ہوتا ہے جو غالباً نظر انداز ہو گیا ہے یعنی باقتضائے فصل زاہدوں کی طینت کے بیابان سے بھی رندوں کے آب وگل کے مرغزار کی طرح عشق پیشہ رکھنے والا لالہ اور شوریدہ مذہب سنبل اور شوخی کرنے والا ریحان اُگنا شروع ہو گیا یعنی فصل بہار کے اثر سے خشک طینت زاہدوں میں بھی رندوں کی طرح عشق وبدمستی پیدا ہو گئی ہے جیسے کہ اس کے بعد والا دوسرا جملہ (واز خشک ..... نہادہ") میں بھی لفظ چوں جوی بار طبع جواناں موجود ہے فقط واللہ اعلم بالصواب۔